الجواب باسم ملہم الصواب

جواب سوال نمبر 1۔۔۔ جواب کو سمجھنے کے لیے چند نکات مد نظر رہنا ضروری ہے:

اعتکاف کے معنی:

اعتکاف کا ذکر قرآن کریم میں وارد ہوا ہے:{وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ} [البقرة: 187] اعتکاف، عکوف سے ماخوذ ہے اور عکوف کہتے ہیں کسی جگہ تعظیم اور عبادت کی غرض سے پڑے رہنے کو۔ اعتکاف کے اندر وہ جگہ مسجد ہوتی ہے جہاں انسان اللہ رب العزت کی تعظیم اور اس کی رضا کے حصول کے لیے مسلسل اس کے دربار میں ہر چیز سے بے نیاز ہو کر پڑا رہتا ہے۔

البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري (2/ 321)

وَفِي الصِّحَاحِ الِاعْتِكَافُ الِاحْتِبَاسُ وَفِي النِّهَايَةِ أَنَّهُ مُتَعَدٍّ فَمَصْدَرُهُ الْعَكْفُ وَلَازِمٌ فَمَصْدَرُهُ الْعُكُوفُ فَالْمُتَعَدِّي بِمَعْنَى الْحَبْسِ وَالْمَنْعِ وَمِنْهُ قَوْله تَعَالَى {وَالْهَدْيَ مَعْكُوفًا} [الفتح: 25] وَمِنْهُ الِاعْتِكَافُ فِي الْمَسْجِدِ وَأَمَّا اللَّازِمُ فَهُوَ الْإِقْبَالُ عَلَى الشَّيْءِ بِطَرِيقِ الْمُوَاظَبَةِ

الموسوعة القرآنية (8/ 386)

العكوف الإقبال على الشيء وملازمته على سبيل التعظيم له والاعتكاف فى الشرع هو الاحتباس فى المسجد على سبيل القربة ويقال عكفته على كذا أي حبسته عليه لذلك قال: سَواءً الْعاكِفُ فِيهِ وَالْبادِ- وَالْعاكِفِينَ- فَنَظَلُّ لَها عاكِفِينَ- يَعْكُفُونَ عَلى أَصْنامٍ لَهُمْ- ظَلْتَ عَلَيْهِ عاكِفاً- وَأَنْتُمْ عاكِفُونَ فِي الْمَساجِدِ- وَالْهَدْيَ مَعْكُوفاً أي محبوسا ممنوعا.

جمہور کا موقف قرآن وسنت کے قریب:

اعتکاف کے اس لفظی معنی اور مقاصد اعتکاف کے زیادہ قریب وہی موقف ہے جو امام صاحب اور جمہور کا ہے۔(یاد رہے کہ ائمہ ثلاثہ کا موقف قریب قریب وہی ہے جو امام صاحب کا ہے) سیرت طیبہ ﷺ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اعتکاف میں یکسوئی، فارغ البالی اور قیام کے ساتھ عبادت مقصود ہے، اسی وجہ سے آپ ﷺ بغیر کسی حاجت کے اعتکاف سے باہر تشریف نہ لاتے تھے۔

سنن أبي داود ت الأرنؤوط (4/ 126)

عن عائِشَةَ، قالت: كان رسولُ الله -صلَّى الله عليه وسلم- إذا اعْتكَفَ يُدْني إليَّ رأسَه فأرجلُّه، وكانَ لا يَدخُلُ البَيْتَ إلا لِحَاجَةِ الإنسانِ

حاجتِ انسان کا دائرہ فقہائے احناف کی نظر میں:

یہاں حدیث میں "حاجت" کی اضافت انسان" کی طرف کی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اسی حاجت کے لیے باہر تشریف لاتے تھے جو انسانی حاجت کہلائی جاسکتی ہے۔ فقہانے اس لفظ میں تین طرح کی حاجتوں (طبعی، شرعی اور ضروری) کو شامل فرمایا ہے جیسا کہ سوال میں بھی ان کا ذکر مع امثلہ موجود ہے۔

فقہا کی بیان کردہ مثالوں میں اضافہ ہو سکتا ہے؟

لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ طبعی حاجت کا دائرہ کار صرف قضائے حاجت تک محدود ہے یا اس میں مزید اضافے کی گنجائش رہے گی؟ اسی طرح شرعی حاجت کا دائرہ کار صرف نماز جمعہ کے لیے نکلنے تک محدود ہے یا اس میں مزید اضافے کی گنجائش ہے؟ ہماری نظر میں فقہائے کرام کی بیان کردہ جزئیات بطور مثال ہیں، نہ کہ بطور حصر و تحدید۔ اصل چیز طبعی، شرعی یا ضروری حاجت ہے، نہ کہ ان کی بیان کردہ مثالیں۔ چنانچہ ایسی گرمی اور حبس جس کی وجہ سے معتکف کی طبیعت کو قرار نہ آئے، ہمارے نزدیک یہ طبعی ضرورت میں داخل ہے اور اس بے قراری کو دور کرنے کے لیے اعتکاف سے نکلنا جائز ہے؛ طبعی حاجت کا دائرہ پیشاب، پاخانہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بعض فقہانے قے اور تطہیر نجاست کو بھی طبعی ضرورت میں داخل کیا ہے؛ کیونکہ انسانی طبیعت اس کے لیے باہر نکلنے کے لیے بھی بے قرار ہوتی ہے۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح (ص: 702)

"أو" حاجة "طبيعية" كالبول والغائط وإزالة نجاسة واغتسال من جنابة باحتلام

حاجت طبعیہ کا اصول کیا ہے؟

وہ کیا اصول ہے جو کسی چیز کو طبعی ضرورت میں داخل کرتا ہے؟ اس میں دو باتیں سمجھ میں آتی ہیں:

الف: ہر وہ چیز جس کو مسجد کے اندر انجام نہ دے سکتے ہوں، مسجد میں اس کی انجام دہی مسجد کی تلویث کا باعث ہو، وہ طبعی ضرورت ہے۔ قضائے حاجت، قے، غسل جنابت اور تطہیر نجاست؛ یہ سب وہ چیزیں جو مسجد میں انجام نہیں دی جاسکتیں؛ کیونکہ اس سے مسجد میں جناست اور گندگی پھیلے گی جو مسجد کے احترام وادب کے صریح خلاف بلکہ شعائر اللہ کی گستاخی ہوگا۔ اس اصول کی تائید ان مثالوں سے ہوتی ہے جو فقہانے طبعی ضرورت کے ذیل میں ذکر کی ہیں۔

(ب) طبعی حاجت سے مراد ہر وہ عادت ہے جس کے بغیر انسانی طبیعت کو قرار نہ آئے اور اس کی اجازت نہ دی جائے تو مسلمان اپنا اعتکاف برقرار نہ رکھ پائے۔ اس اصول میں وسعت زیادہ ہے اور درج ذیل عبارات سے اس کو تقویت بھی ملتی ہے:

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (2/ 114)

وَلِأَنَّ فِي الْخُرُوجِ لِهَذِهِ الْحَاجَةِ تَحْقِيقَ هَذِهِ الْقُرْبَةِ؛ لِأَنَّهُ لَا يَتَمَكَّنُ الْمَرْءُ مِنْ أَدَاءِ هَذِهِ الْقُرْبَةِ إلَّا بِالْبَقَاءِ، وَلَا بَقَاءَ بِدُونِ الْقُوتِ عَادَةً وَلَا بُدَّ لِذَلِكَ مِنْ الِاسْتِفْرَاغِ عَلَى مَا عَلَيْهِ مَجْرَى الْعَادَةِ فَكَانَ الْخُرُوجُ لَهَا مِنْ ضَرُورَاتِ الِاعْتِكَافِ وَوَسَائِلِهِ وَمَا كَانَ مِنْ وَسَائِلِ الشَّيْءِ؛ كَانَ حُكْمُهُ حُكْمَ ذَلِكَ الشَّيْءِ فَكَانَ الْمُعْتَكِفُ فِي حَالِ خُرُوجِهِ عَنْ الْمَسْجِدِ لِهَذِهِ الْحَاجَةِ كَأَنَّهُ فِي الْمَسْجِدِ

الدر المختار وحاشية ابن عابدين (رد المحتار) (2/ 448)

وَالْحَاصِلُ أَنَّ مَا يَغْلِبُ وُقُوعُهُ يَصِيرُ مُسْتَثْنًى حُكْمًا وَإِنْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ وَمَا لَا فَلَا إلَّا إذَا شَرَطَهُ.

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح (ص: 702)

"أو حاجة طبيعية" أي يدعو إليها طبع الإنسان

بدبو پیدا ہو جائے تو حاجت شرعیہ بھی بن جائے گا:

شدید گرمی اور حبس کی وجہ سے لباس اور بدن میں بدبو پیدا ہو جائے تو اسے دور کرنے کے لیے باہر نکلنے کو غسل کو شرعی حاجت میں بھی داخل کیا جاسکتا ہے؛ کیونکہ مسجد کو گندگی اور بدبو سے بچانا شرعی ضرورت ہی ہے۔ وھذا الامر واضح

خلاصہ بحث:

اب تک کے نکات سے یہ امور واضح ہوئے:

1۔ امام صاحب اور جمہور کا موقف الفاظ قرآن اور سنت رسول اللہ ﷺ کے زیادہ قریب ہے۔

2۔ امام صاحب اور جمہور کے نزدیک معتکف حاجت کی بنا پر اعتکاف سے نکل سکتا ہے۔

3۔ لیکن حاجت کا دائرہ چار پانچ مثالوں تک محدود نہیں، بلکہ ان مثالوں کے پیچھے ایک اصول کار فرما ہے۔

4۔ معتکف کو کسی چیز سے بے قراری ہوتی ہو تو اس کے لیے اپنی اس بے قراری کو ختم کرنے کے لیے اعتکاف سے نکلنا مصالح اعتکاف میں سے ہے اس لیے جائز ہے۔ (ماسوی الوطی ودواعیہ)

5۔ لہذا جس شخص کو روزانہ غسل کی عادت ہو یا سخت گرمی اور حبس کی وجہ سے لباس یا بدن میں بدبو پیدا ہو گئی ہو تو ان مواقع پر غسل کے لیے نکلنا جائز ہے۔

جمہور اور صاحبین کے درمیان اختلاف کا نقطہ، اہم تحقیق:

اب اس مسئلے کو ہم ایک وسیع زاویے سے پیش کرتے ہیں جس سے اعتکاف کے مسائل میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو سکتی ہیں، تاہم اس تحقیق کے مطالعے سے پہلے یہ بات ذہن نشین رہے کہ اس حوالے سے یہ ایک ابتدائی تحقیق ہے۔ اہل علم اس بحث کو مزید آگے بڑھا سکتے ہیں۔ تحقیق کو نمبر وار ملاحظہ کیجیے:

1۔ کتب فقہ کا گہرائی سے جائزہ لینے کے بعد اندازہ ہوا کہ امام صاحب، جمہور اور صاحبین کا مذکورہ بالا سارا اختلاف صرف واجب اعتکاف میں ہے۔ نفلی اعتکاف میں مفتی بہ قول کے مطابق خروج بلا عذر جائز ہے، جہاں تک سنت اعتکاف کی بات ہے تو متقدمین احناف کی ظاہر الروایہ کتابوں میں سنت اعتکاف کا ذکر ملتا ہی نہیں، صرف واجب اور تطوع کا ذکر ملتا ہے جس سے سنت اعتکاف کے حکم کے حوالے سے ابہام سا پیدا ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:

الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني (2/ 273)

وَإِذا مرض الْمُعْتَكف فَخرج من الْمَسْجِد يَوْمًا أَو أَكثر من نصف يَوْم فَعَلَيهِ أَن يسْتَقْبل الِاعْتِكَاف إِن كَانَ اعتكافا وَاجِبا وَهَذَا قَول أبي يُوسُف وَقَالَ أَبُو حنيفَة إِذا خرج سَاعَة من الْمَسْجِد من غير عذر اسْتقْبل الِاعْتِكَاف وَكَذَلِكَ إِذا خرج من الْمَسْجِد لغير حَاجَة يَوْمًا أَو أَكثر من نصف يَوْم فَعَلَيهِ أَن يسْتَقْبل اعْتِكَافه فِي قَول أبي يُوسُف

المحيط البرهاني في الفقه النعماني (2/ 405)

الاعتكاف سنة مشروعة، وهو ضربان: تطوع: وهو أن يشرع. وواجب: وهو أن يوجبه على نفسه--------فأما في الاعتكاف النفل، وهو أن يشرع فيه من غير أن يوجبه على نفسه لا بأس بأن يخرج بعذر وغير عذر، وهذا على ظاهر الرواية

2۔ البتہ غیر ظاہر الروایہ کتابوں میں سے "الحجۃ علی اھل المدینۃ" میں امام محمد نے عشرہ اخیرہ کے اعتکاف کو تطوع فرمایا ہے۔ غور فرمایئے:

الحجة على أهل المدينة (1/ 420

قال ابو حنيفة المتطوع في الاعتكاف ينبغي له ان يصنع في اعتكافه كما يصنع الذي عليه الاعتكاف في ترك الخروج من المسجد والصوم وغير ذلك

وقال اهل المدينة المتطوع في الاعتكاف والذي عليه الاعتكاف امرهما واحد فيما يحل لهما ويحرم عليهما

وقال محمد بن الحسن هكذا ينبغي ان يكون؛ لان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اعتكافه فيما نرى تطوعا فاجتنب فيما روته الفقهاء فينبغي ان يجتنب في التطوع ما يجتنب في الفريضة

اس عبارت میں امام محمد عبارۃ النص کے طور پر یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ نفلی اعتکاف کے احکام واجب اعتکاف کی طرح ہیں؛ کیونکہ نبی کریم ﷺ رمضان میں جو اعتکاف فرماتے تھے وہ نفلی ہوتا تھا لیکن آپ اسے واجب ہی کی طرح ادا فرماتے تھے۔

لیکن احناف نے اس روایت کو نہیں لیا۔ احناف کا فتوی یہی ہے کہ نفلی اعتکاف واجب کی طرح نہیں ہے؛ کیونکہ نفل میں بالاجماع نرمی ہوتی ہے، اسے واجب کی طرح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جمہور کا بھی یہی مسلک ہے کہ مندوب اعتکاف واجب کی طرح نہیں ہے۔

الموسوعة الفقهية الكويتية (5/ 220)

وَأَلْحَقَ الْمَالِكِيَّةُ وَأَبُو حَنِيفَةَ - فِي رِوَايَةِ الْحَسَنِ عَنْهُ - بِالْوَاجِبِ الاِعْتِكَافَ الْمَنْدُوبَ أَيْضًا، سَوَاءٌ أَكَانَ الْخُرُوجُ يَسِيرًا أَمْ كَثِيرًا.

تاہم امام ثالث کی عبارت: **لان رسول الله صلى الله عليه وسلم كان اعتكافه فيما نرى تطوعا** سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ تطوع کا مد مقابل واجب ہے، جبکہ سنت اعتکاف تطوع میں شامل ہے نہ کہ واجب میں۔ گو کہ ظاہر الروایہ اس روایت کے عبارۃ النص کے خلاف ہے اس لیے اس معاملے میں تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا، لیکن سنت اعتکاف کے بارے میں ظاہر الروایہ ہے ہی نہیں، اس لیے اس معاملے میں غیر ظاہر الروایہ کو لے لیا جائے گا اور سنت اعتکاف کو نفلی اعتکاف میں شمار کیا جائے گا۔ کماھو مصرح فی کتب رسم المفتی

3۔ متاخرین احناف نے سنت اعتکاف کا ذکر کیا ہے۔ موسوعہ کویتیہ نے شاید متاخرین احناف ہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ

يَنْقَسِمُ الاِعْتِكَافُ إِلَى وَاجِبٍ، وَمَنْدُوبٍ عِنْدَ الْجُمْهُورِ، وَزَادَ الْحَنَفِيَّةُ الْمَسْنُونَ (الموسوعة الفقهية الكويتية:5/ 208)

لیکن متاخرین نے بھی تعبیر ایسی اختیار کی ہے کہ لگتا ہے روزہ، مسجد جامع اور بلا عذر نہ نکلنے کی شرائط کا تعلق واجب اعتکاف سے ہے، نفل سے تو (علی ظاہر الروایۃ) بالکل بھی نہیں ہے اور سنت اعتکاف میں یہ شرائط ہیں یا نہیں؟ اس حوالے سے اختلاف رائے نظر آتا ہے:

علامہ ابن نجیم نے تو صاف لفظوں میں لکھا ہے کہ نفلی اعتکاف کی طرح سنت اعتکاف میں بھی روزے کی کوئی شرط نہیں، روزے کی شرط صرف واجب اعتکاف میں ہے۔ ان کی دلیل یہی ہے کہ متقدمین فقہانے صرف واجب اعتکاف میں روزے کی شرط لگائی ہے کسی اور میں نہیں۔

جبکہ علامہ شامی کے نزدیک سنت اعتکاف میں روزہ شرط ہے اور علامہ ابن نجیم کو علامہ شامی نے یہ جواب دیا ہے کہ متقدمین نے اس کی تصریح اس لیے نہیں کی کہ عشرہ اخیرہ کے اعتکاف میں عادۃ روزہ ہوتا ہی ہے اس لیے سنت اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جواب یہ دیا ہے کہ نفلی اعتکاف کے حوالے سے فقہی روایات میں اختلاف ہے: ایک روایت یہ ہے کہ کم سے کم اعتکاف کی کوئی حد مقرر نہیں، ایک گھڑی بھی نفلی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ (وعلیہ الفتوی) دوسری روایت یہ ہے کہ نفلی اعتکاف کم سے کم ایک دن ہونا ضروری ہے جس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ کم سے کم نفلی اعتکاف کی مقدار ایک دن ہے اس کی دلیل یہی ہے کہ اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہو سکتا اور روزہ ایک دن کا ہوتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس اعتکاف کی مقدار مقرر ہو اس میں روزہ شرط ہے۔

لیکن مجیب عرض کرتا ہے کہ علامہ شامی کے دونوں جوابات میں ضعف ہے؛ پہلا جواب اس لیے ضعیف ہے کہ عادتاً روزہ ہونے سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ روزہ شرط بھی ہو! دوسرا اس لیے ضعیف ہے کہ جس روایت کا علامہ شامی نے حوالہ دیا ہے وہ خود ایک غیر مفتی بہ روایت ہے، اس لیے اس سے اس کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔

ابن نجیم کی عبارت یہ ہے:

البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري (2/ 323)

فَإِنْ قُلْت يُمْكِنُ حَمْلُهُ عَلَى الِاعْتِكَافِ الْمَسْنُونِ سُنَّةً مُؤَكَّدَةً وَهُوَ الْعَشْرُ الْأَخِيرُ مِنْ رَمَضَانَ فَإِنَّ الصَّوْمَ مِنْ شَرْطِهِ حَتَّى لَوْ اعْتَكَفَهُ مِنْ غَيْرِ صَوْمٍ لِمَرَضٍ، أَوْ سَفَرٍ يَنْبَغِي أَنْ لَا يَصِحَّ قُلْت لَا يُمْكِنُ لِتَصْرِيحِهِمْ بِأَنَّ الصَّوْمَ إنَّمَا هُوَ شَرْطٌ فِي الْمَنْذُورِ فَقَطْ دُونَ غَيْرِهِ

علامہ شامی کا جواب یہ ہے:

البحر الرائق شرح كنز الدقائق ومنحة الخالق وتكملة الطوري (2/ 323)

قُلْت تَصْرِيحُهُمْ بِذَلِكَ إنَّمَا هُوَ بِالنِّسْبَةِ إلَى النَّقْلِ يَعْنِي أَنَّهُ لَيْسَ بِشَرْطٍ فِي النَّقْلِ؛ لِأَنَّهُ الْمُحْتَاجُ إلَى الْبَيَانِ أَمَّا الْمَسْنُونُ فَلَا يَكُونُ إلَّا بِالصَّوْمِ عَادَةً فَلَا حَاجَةَ إلَى التَّنْبِيهِ عَلَيْهِ وَإِمْكَانُ تَصَوُّرِ عَدَمِ الصَّوْمِ فِيهِ لِمَرَضٍ أَوْ سَفَرٍ نَادِرٌ جِدًّا وَيَدُلُّ عَلَى مَا قُلْنَا أَنَّهُ فِي مَتْنِ الدُّرَرِ قَسَّمَ الِاعْتِكَافَ إلَى الْأَقْسَامِ الثَّلَاثَةِ ثُمَّ قَالَ وَالصَّوْمُ شَرْطٌ لِصِحَّةِ الْأَوَّلِ يَعْنِي الْوَاجِبَ لَا الثَّالِثَ يَعْنِي الْمُسْتَحَبَّ وَلَمْ يَتَعَرَّضْ لِلثَّانِي وَهُوَ الْمَسْنُونُ بِنَفْيٍ وَلَا إثْبَاتٍ لِلْعِلْمِ بِأَنَّهُ لَا يَكُونُ بِدُونِ صَوْمٍ عَادَةً وَسَيَأْتِي قَرِيبًا بَيَانُ اخْتِلَافِ الرِّوَايَةِ فِي وُجُوبِ الصَّوْمِ فِي الِاعْتِكَافِ النَّفْلِ بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِ الرِّوَايَةِ فِي أَنَّهُ مُقَدَّرٌ بِيَوْمٍ أَمْ لَا وَمُقْتَضَاهُ أَنَّ التَّقْدِيرَ مُسْتَلْزِمٌ لِإِيجَابِ الصَّوْمِ فِيهِ وَلَا يَخْفَى أَنَّ اعْتِكَافَ الْعَشْرِ الْأَخِيرِ مُقَدَّرٌ فَيَكُونُ الصَّوْمُ شَرْطًا فِيهِ فَتَأَمَّلْ

4۔ **الحاصل: جب سنت اعتکاف کے بارے میں ظاہر الروایہ کتابوں میں کوئی تصریح نہیں کہ وہ واجب کے مشابہ ہے یا نفل کے؟ تو غیر ظاہر الروایہ کے مفہوم سے اس مسئلے کو حل کیا جائے گا، یا پھر اس مسئلے کو متاخرین کے اجتہاد پر چھوڑ دیا جائے گا، متاخرین میں سے ابن نجیم اسے نفل سے ملحق قرار دے رہے ہیں اور علامہ شامی واجب کے ساتھ! علامہ شامی نے سنت اعتکاف کو صرف روزے کے معاملے میں واجب کے مشابہ قرار دیا ہے یا تمام امور میں اس کی تصریح نہیں مل سکی، لیکن متقدمین کے ابہام اور متاخرین کے اختلاف سے یہ بات واضح ہو گئی کہ اس مسئلے میں توسع رکھا جانا چاہیے، نہ کہ تشدد اور تضیق، جو کہ آج کل کے طبائع کو راس نہیں آتی۔**

5۔ **اکابرِ دیوبند میں سے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور مفتی کفایت اللہ صاحب کی بعض عبارات سے اس موقف کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ سنت اعتکاف نفل کے مشابہ ہے، واجب کے نہیں، چنانچہ:**

فتاوی رشیدیہ میں حقہ پینے کے عادی شخص کو مغرب کے بعد حقہ پینے کے لیے مسجد سے نکلنے کی بلا کسی قید و شرط کے اجازت دی گئی ہے۔ دیکھیے: فتاوی رشیدیہ: ص458، اعتکاف کا بیان

اسی طرح بلا کسی قید و شرط کے مسنون اعتکاف میں عیادت مریض اور جنازہ میں شرکت کی اجازت دی گئی ہے۔ دیکھیے: فتاوی رشیدیہ: ص458، اعتکاف کا بیان

فتاوی رشیدیہ، اعتکاف کے مسائل کے آخر میں میں ملفوظ کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ مسنون اعتکاف ٹوٹ جائے تو قضا نہیں آتی۔ (فتاوی رشیدیہ: ص459، اعتکاف کا بیان)

ان عبارات کی بندے کو یہی توجیہ سمجھ میں آتی ہے کہ حضرت سنت اعتکاف کو واجب کے مشابہ قرار دینے کے خلاف ہیں۔ حضرت کے نزدیک سنت اعتکاف نفلی اعتکاف کے مشابہ ہے، واجب کے نہیں۔او ان یحمل علی التدسیس۔ **واللہ اعلم**

"تعلیم الاسلام" جو کہ مفتی کفایت اللہ صاحب کی شہرہ آفاق کتاب ہے اور کفایت المفتی سے زیادہ مستند ہے (کیونکہ تعلیم الاسلام حضرت نے خود تصنیف فرمائی ہے جبکہ کفایت المفتی حضرت کی وفات کے بعد جمع کی گئی ہے) اس کتاب میں پہلے حضرت نے اعتکاف کی تین قسمیں (واجب، سنت مؤکدہ کفایہ اور نفل) ذکر کی ہیں پھر فرمایا ہے:

"مسلمان ہونا، حدث اکبر اور حیض و نفاس سے پاک ہونا، عاقل ہونا، نیت کرنا، مسجد جماعت میں اعتکاف کرنا، یہ باتیں تو ہر قسم کے لیے شرط ہیں اور اعتکاف واجب کے لیے روزہ بھی شرط ہے۔" (تعلیم الاسلام: ص146، 147)

آگے فرماتے ہیں:

"اعتکاف واجب کی قضا واجب ہے، سنت اور نفل کی قضا واجب نہیں۔" (تعلیم الاسلام: ص148)

6۔ ان تمام نکات سے ثابت ہوا کہ سنت اعتکاف نفل کی طرح ہے اور واجب کی طرح قرار دیں تب بھی اختلاف آنے کی وجہ سے اس میں تخفیف ضرور ہے، لہذا اس میں واجب کی طرح کی سختی اور شدت مناسب نہیں۔

7۔ سنت اعتکاف واجب کی طرح نہیں ہے۔اس کی ایک دلیل فتاوی عثمانی کا وہ فتوی ہے جس کے اندر سنت اعتکاف میں استثناء کو ناجائز جبکہ واجب اعتکاف میں جائز کہا گیا ہے، حضرت مفتی تقی عثمانی مد ظلہم نے بعض اہل علم کے اس فتوی کو مرجوح قرار دیا ہے جس میں سنت اعتکاف کو واجب اعتکاف پر قیاس کر کے استثناء کو درست قرار دیا گیا ہے۔ دیکھیے: فتاوی عثمانی، جلد 2 ص

اس کا مقتضی یہی ہے کہ واجب اور سنت اعتکاف میں فرق ہونا چاہیے۔ یہ نہیں کہ دونوں کے احکام یکساں ہوں۔

ایک قوی اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک قوی اشکال رہ جاتا ہے جس کے بغیر یہ بحث نامکمل ہے اور وہ یہ کہ احادیث صحیحہ میں تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ اعتکاف میں حاجت انسانی کے علاوہ نہیں نکلا کرتے تھے کما مر۔ اس کا تو یہی مطلب نکلتا ہے کہ رمضان کا سنت اعتکاف، واجب اعتکاف کی طرح ہے، نیز صاحبین کا قول اس حدیث کے مخالف ہے اس لیے قول صاحبین ضعیف کہلائے گا۔

اس کے دو جواب ہیں:

1۔ آپ ﷺ امام المتقین اور خیر العابدین تھے۔ آپ ﷺ جب بھی کوئی عمل ادا فرماتے تو اسے مکمل آداب کے ساتھ اور افضل وارفع طریقے سے ادا فرماتے۔ اعتکاف کے مقاصد کو دیکھا جائے تو اس کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ اعتکاف ایسا ہونا چاہیے جس میں انسان اللہ کے دربار پر سر بسجود پڑا رہے اور بخشش کرائے بغیر نہ اٹھے۔ ممکن ہے کہ آپ ﷺ ان وجوہات کی بنا پر بغیر انسانی حاجت کے باہر تشریف لانا پسند نہ کرتے ہوں، ورنہ فی نفسہ سنت اعتکاف ہونے کی وجہ سے باہر نکلنا جائز ہو۔ جبکہ صاحبین کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بغیر انسانی حاجت کے نہ نکلنا سنت ہے، شرط نہیں۔

2۔ آپ ﷺ پر اعتکاف واجب تھا جس طرح تہجد فرض تھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے ہر سال پابندی سے اعتکاف فرمایا ہے، لیکن صحابہ کو اعتکاف کی تاکید نہیں فرمائی۔ ایک موقعے پر آپ ﷺ اعتکاف مکمل نہ کر پائے تو شوال میں اس کی قضا فرمائی۔ ظاہر قضا واجب یا فرض کی ہوتی ہے، سنت کی نہیں۔

المدونة (1/ 292)

قَالَ مَالِكٌ: وَبَلَغَنِي «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ - صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - أَرَادَ الْعُكُوفَ ثُمَّ رَجَعَ وَلَمْ يَعْتَكِفْ، حَتَّى إذَا أَفْطَرَ مِنْ رَمَضَانَ اعْتَكَفَ عَشْرًا مِنْ شَوَّالٍ»

الموسوعة الفقهية الكويتية (5/ 208)

أَمَّا أَنَّ الاِعْتِكَافَ غَيْرُ وَاجِبٍ فَلأِنَّ أَصْحَابَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَلْتَزِمُوا الاِعْتِكَافَ كُلُّهُمْ، وَإِنْ صَحَّ عَنْ كَثِيرٍ مِنَ الصَّحَابَةِ فِعْلُهُ. وَأَيْضًا فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَأْمُرْ أَصْحَابَهُ بِالاِعْتِكَافِ إِلاَّ مَنْ أَرَادَهُ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ كَانَ اعْتَكَفَ مَعِي، فَلْيَعْتَكِفِ الْعَشْرَ الأَْوَاخِرَ - أَيْ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ - وَلَوْ كَانَ وَاجِبًا لَمَا عَلَّقَهُ بِالإِْرَادَةِ.

اہل علم اس تحقیق کو قبول کر لیں تو خود امام صاحب اور جمہور کے قول میں ہی مشکلات کا حل نکل آئے گا، صاحبین کے قول پر فتوی دینے کی ضرورت نہیں رہے گی۔ واللہ الموفق

دوسرے سوال کا جواب:

ردالمحتار، عقود رسم المفتی، اصول الافتاء وآدابہ اور اصول افتاء کی تمام کتابوں میں صراحت سے یہ قاعدہ ملتا ہے کہ قیاس اور استحسان میں تعارض ہو تو استحسان کو ترجیح ہوتی ہے۔ فقہائے کرام نے صاحبین کے قول کو استحسان بالضرورۃ قرار دیا ہے، اس لیے استحسان کو ترجیح ہونی چاہیے!

الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني (2/ 278)

وَإِن خرج الْمُعْتَكف لغائط أَو بَوْل من الْمَسْجِد فلقي غريما لَهُ فَلَزِمَهُ يَوْمًا أَو أَكثر من نصف يَوْم انْتقض اعْتِكَافه إِذا كَانَ وَاجِبا وَلَو حَبسه سَاعَة أَو نَحْو ذَلِك لم ينْتَقض اعْتِكَافه أستحسن ذَلِك وأدع الْقيَاس فِيهِ وَأما فِي قَول أبي حنيفَة فَإِن اعْتِكَافه فَاسد

الهداية في شرح بداية المبتدي (1/ 130)

ولو خرج من المسجد ساعة بغير عذر فسد اعتكافه " عند أبي حنيفة رحمه الله لوجود المنافى وهو القياس وقالا لا يفسد حتى يكون أكثر من نصف يوم وهو الاستحسان لأن في القليل ضرورة

المبسوط للسرخسي (3/ 118)

وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ رَحِمَهُمَا اللَّهُ تَعَالَى لَا يَفْسُدُ مَا لَمْ يَخْرُجْ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ، وَقَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ - رَحِمَهُ اللَّهُ تَعَالَى - أَقِيسُ وَقَوْلُهُمَا أَوْسَعُ

بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع (2/ 115)

فَإِنْ خَرَجَ مِنْ الْمَسْجِدِ لِغَيْرِ عُذْرٍ؛ فَسَدَ اعْتِكَافُهُ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَإِنْ كَانَ سَاعَةً، وَعِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ لَا يَفْسُدُ حَتَّى يَخْرُجَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ قَالَ مُحَمَّدٌ: قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ أَقْيَسُ وَقَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوْسَعُ.

العناية شرح الهداية (2/ 395)

وَقَالَا: لَا يُفْسِدُ حَتَّى يَكُونَ أَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ الِاسْتِحْسَانُ لِأَنَّ فِي الْقَلِيلِ ضَرُورَةً.بَيَانُهُ أَنَّ الْمُعْتَكِفَ إذَا خَرَجَ لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ لَا يُؤْمَرُ بِأَنْ يُسْرِعَ فِي الْمَشْيِ. وَلَهُ أَنْ يَمْشِيَ عَلَى التُّؤَدَةِ فَكَانَ الْقَلِيلُ عَفْوًا وَالْكَثِيرُ لَيْسَ بِعَفْوٍ. فَجَعَلْنَا الْحَدَّ الْفَاصِلَ بَيْنَهُمَا الْأَكْثَرَ مِنْ نِصْفِ يَوْمٍ اعْتِبَارًا بِنِيَّةِ الصَّوْمِ فِي رَمَضَانَ. إذَا وُجِدَتْ فِي أَكْثَرِ الْيَوْمِ جُعِلَتْ كَأَنَّهَا وُجِدَتْ فِي جَمِيعِ الْيَوْمِ. لِأَنَّ الْقَلِيلَ تَابِعٌ لِلْأَكْثَرِ.

علامہ طحطاوی نے حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح میں اس نکتے پر بحث فرمائی ہے اور کہا ہے کہ صاحبین کا قول استحسان ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہونی چاہیے، ابن نجیم نے اس کی تصریح کی ہے، پھر فرماتے ہیں کہ علامہ ابن الہمام نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ یہ استحسان بالضرورۃ ہے یعنی ضرورت کی بنا پر صاحبین کا قول قابل ترجیح ہے لیکن جس ضرورت کی بنا پر کسی قول کو ترجیح دی جاتی ہے یہ وہ ضرورت ہوتی ہے جو اکثری ہو اور عموماً پیش آتی ہو جبکہ یہاں ضرورت اکثری یا عمومی نہیں، اس لیے امام صاحب کا ہی قول راجح ہے۔

حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح (ص: 703)

"وقالا أن خرج أكثر اليوم الخ" قالوا: وهو الاستحسان فيقتضي ترجيح قولهما بحر وبحث فيه الكمال ورجح قوله لأن الضرورة التي يناط بها التخفيف اللازمة والغالبة وليس هنا كذلك اهـ أي فيكون من المواضع التي يعمل فيها بالقياس كذا في تحفة الأخيار

لیکن اس کا جواب وہی ہے جس کی مفتی محمد صاحب نے استفتاء میں وضاحت فرمائی ہے کہ آج کے دور میں ضرورت اکثری موجود ہے اور وہ یہ کہ اگر آج کل سروے کیا جائے تو پتا چلے گا کہ نوے فی صد معتکفین کا اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے، اس لیے کہ انہیں مسائل کا علم ہی نہیں ہوتا اور امام صاحب کے مسلک پر مسائل میں باریکیاں بھی بہت ہیں اس لیے مسئلہ بتانے کے باوجود بھی وہ اعتکاف فاسد کر بیٹھتے ہیں، آج کل خود فضلائے کرام کی علمی حالت ناگفتہ بہ ہے تو عوام کی علمی کیفیت کا کیا ہی کہنا!!! اس لیے زیادہ بہتر یہی ہے کہ استحسان بالضرورۃ کی وجہ سے صاحبین کے قول پر فتوی دے دیا جائے؛ کیونکہ جب مسئلہ ضرورت ثابت کرنے پر موقوف تھا تو ضرورت پائے جانے کی وجہ سے حکم لگے گا۔ البتہ فتوی کی تعبیر ایسی اختیار کی جائے کہ اصل مسئلہ تو امام صاحب کے مسلک والا ہی بتایا جائے، لیکن کسی کا اعتکاف امام صاحب کے مسلک پر ٹوٹ رہا ہو، صاحبین کے مسلک پر نہ ٹوٹ رہا ہو تو اسے گنجائش دینی چاہیے۔ مبسوط میں امام محمد کے صنیع سے اس طرز عمل کی تائید ملتی ہے:

الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني (2/ 278)

وَإِن خرج الْمُعْتَكف لغائط أَو بَوْل من الْمَسْجِد فلقي غريما لَهُ فَلَزِمَهُ يَوْمًا أَو أَكثر من نصف يَوْم انْتقض اعْتِكَافه إذا كَانَ وَاجِبا وَلَو حَبسه سَاعَة أَو نَحْو ذَلِك لم ينْتَقض اعْتِكَافه أستحسن ذَلِك وأدع الْقيَاس فِيهِ وَأما فِي قَول أبي حنيفَة فَإِن اعْتِكَافه فَاسد

فقط واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

محمد انس عبد الرحیم

دارالافتاء جامعۃ السعید نرسری کراچی

19 رمضان المبارک 1438 ہجری

15 جون 2017 عیسوی